حُسنِ خیال

عبدالرحمٰن خوشترؔ منگرولی

سوراشٹر (گجرات)

مرتّب : ــــــــــ حافظؔ دہلوی

حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش، ڈھاکہ

حُسنِ خیال

طبع ثانی اضافے کے ساتھ

عبدالرحمٰن خوشترؔ منگرولی

سوراشٹر (گجرات)

مرتب :— حافظؔ دہلوی

حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش، ڈھاکہ

۵۶/ع لال چند مقیم لین (نواب پور روڈ) ڈھاکہ بنگلہ دیش

بار دوم : دسمبر ۱۹۸۵ء

تعداد اشاعت: ایک ہزار

مقامِ اشاعت : ٹریڈ/۲- بلاک "ڈی" تاج محل روڈ محمد پور ڈھاکہ

کتابت : قاسم انیس، مارکٹ کیمپ محمد پور۔ ڈھاکہ ۷

مطبع : لیتھو آرٹ پریس کورٹ ہاؤس اسٹریٹ ڈھاکہ

حرفِ اوّل

عبدالرحمن خوشترؔ منگرولی کا شعری مجموعہ "حسنِ خیال" کی دوبارہ اشاعت ایک نعت، دو غزلوں، اور سات نظموں کے اضافے کے ساتھ ہو رہی ہے۔ پہلی بار اس کی اشاعت اگست سنہ ۱۹۷۶ء میں ہوئی تھی۔ اس مجموعہ کی نظمیں اور غزلیں گرچہ ان کے ہونہار فرزندوں عرب محمد محسن اور عرب خالد احمد نے سامعین کرام اور قارئین عظام کی پسند کے پیشِ نظر اس انتخاب میں شامل کرلیا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ تمام رشحاتِ قلم کی ایک نمائندہ حیثیت ہے۔ پھر یہ امر بھی ملحوظِ خاطر ہونا چاہیئے کہ خوشترؔ منگرولی خود ایک منجھے ہوئے شاعر، ایک ماہرِ ادبی نکتہ داں اور ایک مشّاق نغز شناس ہیں اور ان کی تخلیقات لامحالہ تمام شعری اوصاف سے متّصف ہوں گی۔

حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش، صرف اعلیٰ اور معیاری ادب کی پذیرائی ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے نشر و اشاعت اور توسیع و ترقی کا بھی متمنی ہے۔ ہم نشر و اشاعت کے ایک مبسوط منصوبے کی داغ بیل ڈالے ہوئے ہیں اور "حسن خیال" ہمارے سلسلۂ مطبوعات کی چودھویں کڑی ہے۔

ہم عبدالرحمٰن خوشترؔ منگرولی اور ان کے فرزندانِ ارجمند عرب محمد محسن اور عرب خالد احمد کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس کی طباعت کے لئے حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش کا انتخاب کیا۔ ہم اردو کے شاعر جناب نوشاد نوری کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے ہماری درخواست پر اس مجموعے کا دیباچہ قلمبند کیا۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری صدی پر چھائے ہوئے معمّر شاعر عبدالرحمٰن خوشترؔ منگرولی کا یہ مجموعہ خاص و عام میں مقبول ہو گا۔

حافظ محمد اسمعیل

ایم ۔ رحمٰن

سر پرست حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش، ڈھاکا

ڈھاکا

۱ر دسمبر سنہ ۱۹۸۵ء

دیباچہ طبع ثانی

ہمارے پاس "حسنِ خیال" طبع اوّل کے چند نسخے رہ گئے تھے۔ احباب کی مانگ اسی شدت سے جاری تھی۔ لیکن عدم توجہی کی وجہ سے یہ نسخے بھی دیمک کی نذر ہو گئے۔ ہمارے لئے اس کی دوبارہ اشاعت کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں رہ گیا۔

اسی دوران میں ہمیں اپنے فرزندوں کی شادی کے سلسلے میں ۱۹۸۴ء میں منگرول جانا ہوا اور وہاں والد بزرگوار کا غیر مطبوعہ کلام دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ چند نظمیں ہمیں پسند آئیں۔ طبع ثانی میں وہ شامل کر دی گئی ہیں، احباب اسے پسند فرمائیں گے۔

حدِ ادب

محمد محسن

الحاج خالد احمد
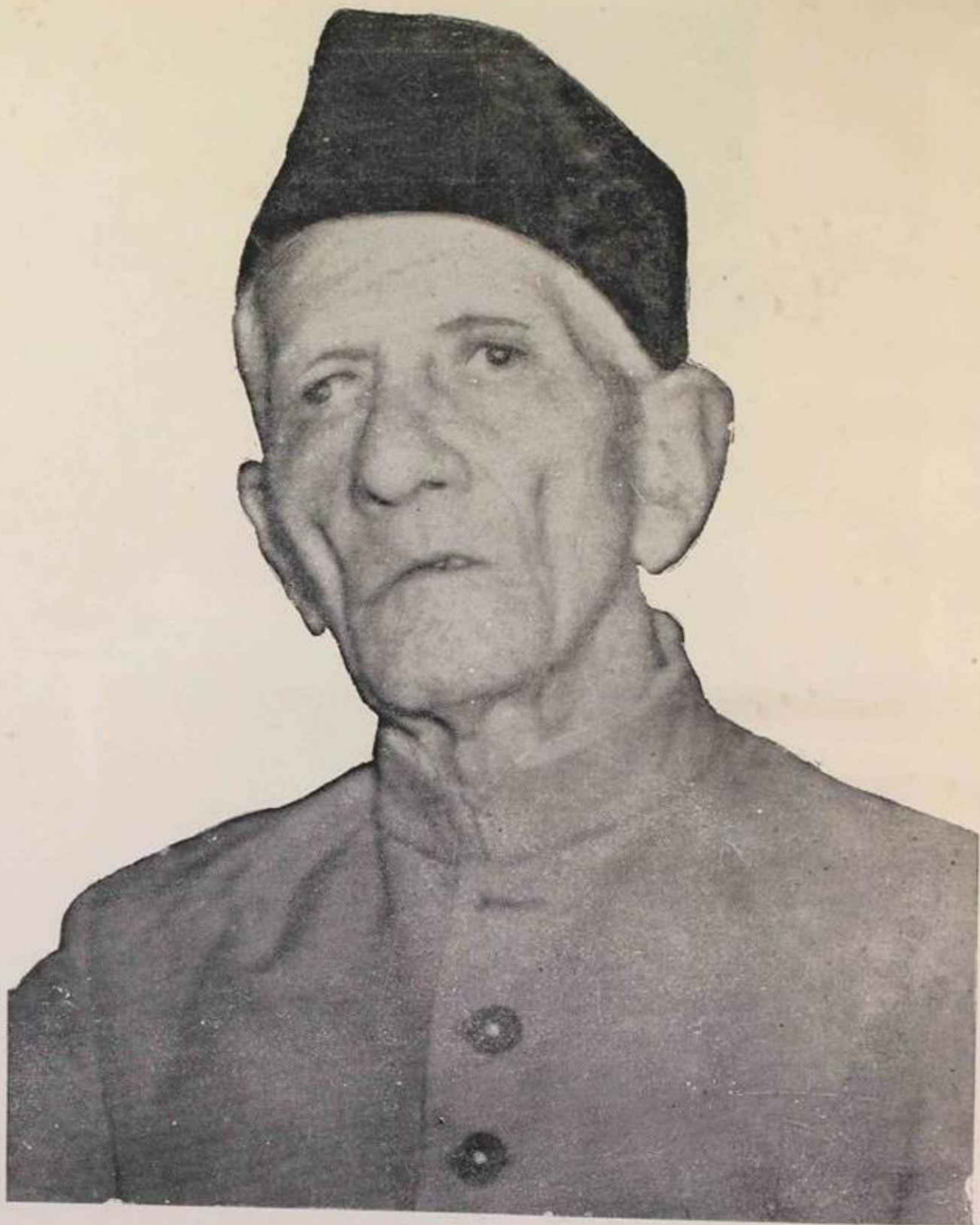
خموش ہو کے بھی دل نالہ کش رہا ہر دم
نوائے سوز سے خالی یہ ساز ہو نہ سکا
خوشترؔ منگرولی

جس پر پڑی نگاہ وہی خوش جمال تھا

کیا حسن آفریں مرا حسنِ خیال تھا

خوشتر منگرولی (سنہ ۱۹۳۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

"حسنِ خیال" کے طبع ثانی پر مجھ سے تقاضا کیا جارہا ہے کہ میں اپنی زندگی کے کچھ اہم واقعات قلمبند کر دوں۔ مگر میں کیا عرض کروں کہ اتنی لمبی زندگی میں، میں نے کوئی کارنامہ ایسا انجام نہیں دیا جو قابلِ ذکر ہو۔ البتہ میں نے اپنے حالات روزنامچوں میں بطور یادداشت لکھے ہیں۔ ان میں سے کچھ بیان کرتا ہوں

میں منگرول کے ایک غریب خاندان میں یکم شعبان ۱۳۰۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۸۹۲ء پیدا ہوا۔ گجراتی ہنٹر اسکول کے ایج (Age) رجسٹر سے سن کا تعین کیا ہے جس کی دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق کی گئی ہے۔ قومیت ہمارے دیش کے رواج کے مطابق ہم یعنی میرے جد امجد عربستان سے آئے ہوئے ہونے کی وجہ سے "عرب" کہلاتے ہیں۔ اور ہماری کنیت "سلیمانی" ہے۔ میرے جد امجد کب اور کس وقت عرب کے ساحلی علاقے سے آئے یا کب یہاں کے راجہ، مہاراجہ یا رئیسوں نے ان کو طلب کیا ہوگا اس کا کوئی مصدقہ وقت معلوم نہیں ہے! مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے تجارتی سلسلے میں یہاں بود و باش اختیار کرلی۔ ان کو وفادار اور بہادر سمجھ کر ہندو اور مسلمان رؤسا نے لشکر میں اور ڈیوڑھیوں کی حفاظت کے لئے بھرتی کر لیا ہوگا۔ بہر حال یہاں اس سے بحث کرنا فضول ہے۔

رہا میری تعلیم کا سوال تو میں نے اردو گجراتی کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن منگرول، جوناگڈھ اور وڈوان میں حاصل کی اور جب والد ماجد محسن کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہوگیا تو میرا، دادی اور والدہ کی کفالت کا بوجھ ماموں، جو کولمبو (سری لنکا) میں ملازمت کرتے تھے ان کے سر آگیا۔ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں میری والدہ ماجدہ نے حج کو جاتے ہوئے مجھے بمبئی کے میمن حاجی ذکریا احمد پٹیل کے یتیم خانہ واقع کھڑک میں داخل کردیا۔ جہاں میں ایک دو برس تعلیم پائی۔ اس کے بعد گولی محلہ میں میونسپل کے اسکول میں تعلیم پائی۔ میرے استاد عبدالحق جو بیلگام کے رہنے والے تھے اور شاعر بھی تھے۔ وہ اکثر مجھ کو "مصحفی اور انشا" اور ذوق و غالب کی معرکہ آرائیوں کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ آخری امتحان کے پاس ہونے پر میونسپل اسکول کے تعلیمی شعبے کے ڈائرکٹر جناب حسن مقبہ نے مجھے بطور خاص کتاب "مجموعۂ سخن" انعام میں دی۔ تھوڑی بہت فارسی رامپور کے حکیم ظہور الدین صاحب (جو ناخدا محلے میں مطب کرتے تھے) سے حاصل کی۔ اس کے بعد کسی صاحب علم و فن کی سرپرستی حاصل نہ ہوسکی۔ البتہ شاعری میں میرے ہموطن اور خواجہ تاش جناب سید سلطان میاں، مرتضیٰ میاں ترمذی کی وساطت سے ان کے شاعری کے استاد حضرت حاجی سید تجمل حسن صاحب جلالپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ یہ ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے میں نے اپنی پہلی غزل لاہور کے رسالہ "اصلاحِ سخن" لاہور کے ایڈیٹر جناب وجاہت جھنجھانوی کو بھیج چکا تھا مگر دور کا معاملہ ہونے کی وجہ سے میں نے حضرت تجمل صاحب کو جو مقامی شاعر تھے، ترجیح دی۔

۱۹۱۸ء میں بمبئی سے، میری پہلی بیوی کا انتقال ہوجانے کے بعد منگرول آیا اور مجھے یہاں منگرول کے رئیس عالی جناب شیخ محمد جہانگیر میاں صاحب مدظلہٗ کے ولی عہد شیخ محمد عبدالغنی نو صاحب نے جو اس وقت منگرول میں طاعون کی وبا پھیلی ہونے کے باعث نواح منگرول حسین آباد میں قیام

فرماتھے۔ منگرول میں میری آمد کی خبر سن کر مجھے طلب فرمایا اور میں ان کے دامن دولت سے وابستہ ہوگیا۔ جنہوں نے اپنی عنایتِ بیکراں سے مجھے خوب نوازا۔ اور میں نے میری شاعری اور میرے ادبی ذوق نے بہت فروغ پایا۔ مجھے موصوف نے ریاست میں ملازمت دیکر اعلیٰ عہدوں پر پہنچایا اور ان کے انتقال کے بعد ان کے ولی عہد شیخ محمد ناصر الدین میاں صاحب نے مجھے ایک اعلیٰ منصب ریوینیو کمشنر کی جگہ سرفراز فرمایا اور یہ میرے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔ میں اپنے ان دونوں محسنوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔

منگرول کے آخری رئیس اور میرے محسن شیخ محمد ناصر الدین میاں صاحب مدظلہٗ کے الطاف کریمانہ سے میں اور میرے فرزند خالد سلمہٗ محروم نہیں رہے۔ اور ابتک احسانات کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں گجراتی کے مشہور ادیب، افسانہ نویس اور ناول نگار "دھمکیتو" کے گجراتی افسانوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا اس کو انہوں نے زرکثیر خرچ کرکے کراچی سے "خیالی تصویریں" کے نام سے چھپوا دیا ہے۔ اور خالد پر بھی ابتک ان کے احسانات جاری ہیں۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ میں نے کسی صاحب علم و فن کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا کیا میں نے از خود اردو سے دلچسپی ہونے کی وجہ اور کثرت مطالعہ سے کچھ شدھ بدھ حاصل کی ہے اور اردو پڑھ لکھ لینے کے قابل ہوا ہوں۔

میرے فرزندوں میں پہلی بیوی سے محمد مختار (تاریخی نام) جو فی الحال کراچی میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور دوسری بیوی سے محمد محسن اور خالد احمد دونوں آسودگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو اہالیانِ ڈھاکہ پر روشن ہے۔ مجھے کبھی خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ میرے نظم و نثر کے افکار زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منصّۂ شہود پر آئیں گے۔ "حسنِ خیال" کے ذریعہ میرا بہت سارا کلام تو منظرِ عام پر آگیا ہے۔ باقی غزلیات، مثنویات، تاریخی قطعات اور قومی نظمیں وغیرہ وغیرہ

چھپنی باقی ہیں۔

میں نے اپنے محسنِ اول عالی جناب شیخ محمد خالق صاحب (ولیعہد منگرول) مدظلہٗ مرحوم کے عہد خوش عہد میں ۱۹۲۶؁ء میں منگرول کی بنجر اور پر شور سرزمین سے اردو کا ماہوار رسالہ "زبان" نامی جاری کیا تھا جو تقریباً دو سال تک جاری رہا۔ بعد میں کم مائیگی اور اردو عوام کی علمی و ادبی دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً بند کر دینا پڑا تھا۔

نامکمل حالاتِ زندگی ہوں گے اور ناانصافی ہوگی اگر میں اس جگہ اپنے ایک محسن عالیجناب معلّی القاب مہابت خان جی والئی ریاست جوناگڈھ کا تذکرہ نہ کروں جن کی مصاحبت میں بہت تھوڑا رہنے کے باوجود بہت بڑا فائدہ حاصل کیا۔

فی الحال میری عمر ہجری سن کے مطابق سو سال ہے، عیسوی سن کے مطابق ۹۳ سال ہے۔ سماعت اور بصارت سے محروم ہو گیا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے فرزند محسن اور خالد سلمہٗ کو خدا نے صاحب مقدور بنایا ہے اور وہ میرے نظم و نثر کے افکار کو چھپوا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

میں بنگلہ دیش کی سب سے بڑی اردو ادبی تنظیم حلقۂ "فکر و دانش بنگلہ دیش" کا ممنون ہوں کہ میرے مجموعہ کو از سرِ نو زیورِ طبع سے آراستہ کر کے عوام میں روشناس کرایا۔

میں بانی و صدر حلقہ "حافظ دہلوی" کا بھی ممنون ہوں کہ میرے مجموعۂ کلام کو ترتیب دینے کی زحمت گوارا فرمائی۔

میں حلقے کے نائب صدر عبدالجبار ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا شکرگزار ہوں جن کی وساطت سے حلقہ مذکور تک میری پہنچ ہو سکی اور حلقے کے ناظمِ اعلیٰ طارق بنارسی، ارکان حسن خاں احسن قاسم انیس سے ملاقات ہو سکی۔ فقط

والسلام

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵؁ء

خوشتر منگرولی، ڈھاکہ بنگلہ دیش

خوشتر، اُن کا عہد اور شاعری

"حُسن خیال" عرب عبدالرحمٰن خوشتر منگرولی کا دو نعتوں، چھ غزلوں اور دس نظموں پر مشتمل ایک شعری گلدستہ ہے۔ گلدستے کے ان اٹھارہ پھولوں کی شگفتگی، تازگی، عطر بیزی، رنگ آمیزی اور طراوت سے اس گلستان کا اندازہ ہوتا ہے، جس کی کم و بیش اسّی سال تک خوشتر منگرولی نے اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی ہے۔ یہ غزلیں اور نظمیں ان کا نمائندہ کلام ہیں اور اس سے ان کی فکری حرکت اور حرارت، ان کے خیال کی بلندی اور گہرائی، ان کے تصور کے طول اور عرض، ان کی طبیعت کی نفاست اور پاکیزگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خوشتر منگرولی کے فن اور شاعری پر تفصیلی گفتگو تو ان کے مجموعۂ کلام "اوراقِ پارینہ" کی اشاعت کے بعد ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ جو ان کی تخلیق کے تقریباً کلّی سرمائے پر مبنی ہے۔ یہ سرمایہ تقریباً دو سو غزلوں اور سینکڑوں نظموں پر مشتمل ہے۔ میں ان کے تخلیقی سرمائے کا اندازہ اس امر سے لگاتا ہوں کہ انہوں نے اس مختصر سے مجموعے میں اپنی نظم "آدمی" کے حواشی میں اس کی تخلیق کی تاریخ ۱۹۱۱ء متعین کی ہے۔ اس لحاظ سے ۱۹۸۵ء تک کے چوہتر سالہ فکری تجربات کا نچوڑ حاصل کئے بغیر ان کی شاعری کے موضوع پر سیر حاصل

تجزیہ ممکن نہیں ہے۔

اس مجموعہ میں خوشتر منگرولی کی صرف چھ غزلیں شامل ہیں اور ان غزلوں میں تخیل اور تفکر کے کئی نئے اور پرانے زاویئے نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں کے ذخیرے کافی بڑے ہیں۔ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ اس مجموعے میں شامل نظم "ڈھاکا ۱۹۶۲ء" کے حواشی سے ہوتا ہے جس میں مصنف نے اس امر کی نشاندھی کی ہے کہ اس نظم میں تخلیق پانے والے عاشقانہ اشعار کو انہوں نے الگ کر کے ۱۶۲ ویں غزل میں شامل کرلیا ہے، چنانچہ خوشتر منگرولی کے ادبی و فکری معیار، صنائع و بدائع کے التزام، اظہار و اسالیب کے اجتہاد اور جذبات و احساسات کی بوقلمونی کو پرکھنے کے لئے صرف چھ غزلیں کافی نہیں ہیں اور پھر ایسی حالت میں جب انہوں نے بیسویں صدی کے تین چوتھائی حصے پر کرنوں کی طرح اترتے زمانے، شبنم کی طرح اڑتے ہوئے ادوار، فرشتوں کی طرح نزول ہوتے ہوتے واقعات، چڑیلوں کی طرح نمود پاتے ہوئے حادثات، روایت کی طرح شکست و ریخت میں رینگتے ہوئے تمدن اور قدروں کی طرح تعمیر و تسخیر میں چوکڑی بھرتے ہوتے معاشرہ کو اپنی آخرت میں آنکھوں سے دیکھا ہو، اپنے عالمانہ تجسس پر پرکھا ہو اور اپنے تخلیقی ذہن سے قبول کیا ہو۔

خوشتر منگرولی کی شاعری ہماری مکمل صدی کا نچوڑ ہے۔ موضوع کے اعتبار سے بھی اور اظہار کے اعتبار سے بھی۔ میرے اس خیال کی توثیق ان کی نظم "مناظرۂ چشم و دل" اور "جوگی" میں علی الترتیب شعرائے قدیم مانی جائسی اور خوشی محمد ناظر کے تذکرے سے ہو جاتی ہے وہ دونوں دو عظیم جنگوں کے درمیانی زمانے کی بلند آہنگ آوازیں ہیں۔ وہ دونوں تحریک آزادی کے تشدد آغاز کے نمائندہ ہیں اور وہ دونوں بادِ بیان میں انقلابی تبدیلیوں کے دور کی نمائندگی کرتے ہیں اور خوشتر منگرولی بھی اس زمانے سے اپنی ریشمی

ڈوروں یعنی شاعری کے سہارے منسلک ہیں۔ خوشتر منگرولی کی فکر عالمی جنگ کے خاتمے پر اپنے پروں کو سمیٹ نہیں لیتی، بلکہ دو تاریخ ساز خانہ جنگیوں یعنی تقسیم ہند اور استقلال بنگلہ دیش کے آخری سرے تک مسلسل پرواز کرتی رہتی ہے اور ان اثرات کو ان کی شاعری نے پوری طرح جذب کیا ہے۔

خوشتر منگرولی نے اپنے زمانے کے سارے فکری اور تخلیقی ارتقا کا ساتھ دیا ہے اور تواریخی ادوار کے مناظر کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ ان کی نظم "ابھی اندھیرا ہے"۔ میں ان کے مطالعے کی ہمہ گیری اور وسعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی نگاہیں تیسویں اور چالیسویں دہائی کے شاعروں کی صرف ادبی کاوشوں پر مرکوز نہیں رہی ہیں بلکہ وہ ان کے شانہ بشانہ انہیں تخلیقی تصور اور شعری محاکات کے زیر سایہ چلتے بھی رہے ہیں۔

نہ شب زدہ ہی سحر ہے نہ داغ داغ سحر	خوشتر
یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر	فیض
رشوت کی دکانیں دفتر ہیں	خوشتر
جوش صاحب گر نہ رشوت لیں تو پھر کھائیں گے کیا	جوش
بھٹکے اہلِ خرد ہیں رہِ سیاست میں	خوشتر
رہبرِ قوم کی ناکارہ قیادت کا فریب	سردار جعفری
سحر نہیں ہے یہ دھوکا ہے صبحِ صادق	خوشتر
ہم گجر بجنے سے دھوکہ کھا گئے"	ندیم قاسمی
حریفِ ظلمتِ شب روزہ کا اجالا ہے	خوشتر
رات کے ہاتھ میں اک کاسۂ دریوزہ گری	مخدوم

صرف اسی پر منحصر نہیں بلکہ نظم "جوگی" اور "ڈھاکا سنہ ۱۹۶۲ء" میں ان کی بالیدہ نگاہی اور بالغ نظری مجھے یہ اعتراف کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے کہ بیسویں صدی کا شعور ہی ان کی شاعری کا موضوع ہے اور وہ اظہار میں تصوف کی شیرینی سے زیادہ اخلاقیات کی چاشنی کا اہتمام کرتے ہیں۔

خوشتر منگرولوی کی شاعری میں دو عناصر نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ پہلا ان کا عرب کردار جو گذشتہ تیرہ صدی سے کاٹھیاواڑ، گجرات یا سوراشٹر کے سیاسی یا تہذیبی ارتقاء میں تاریخ ساز حیثیت رکھتا ہے۔ اور دوسرا اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ولی گجراتی احمد آبادی یا دکنی کا لسانی اور ادبی کردار جو گذشتہ تین صدی سے اردو شاعری کی رہ گزر پر سب سے زیادہ نمایاں سنگِ میل کی طرح نصب ہے۔ اس جزیرہ نما میں دیپل سے سومنات تک صدیوں کی عرب تاریخ سازی نے ان کی شاعری کو تفکر اور عزم بخشا ہے اور ولی کی شاعری نے ان کو ابلاغ و اظہار کے راستے دکھائے ہیں۔ منگرول کے جغرافیائی محلِ وقوع کے اعتبار سے خوشتر کی شاعری بحیرۂ عرب کی فرحت بخش ہواؤں کی تازگی محسوس ہوتی ہے اور گاہے گاہے صحرائے تھار کی باؤلی حرارت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ ان کے افکار و خیالات میں ہیجان، متانت، برانگیختگی اور ٹھہراؤ اور طغیانی اور توازن گجرات کی نہ ختم ہونے والی سیاسی، تمدنی اور ثقافتی تاریخ سے وابستہ ہے۔

اس وسیع و عریض پسِ منظر پر اتنے مختصر شعری سرمائے کو پوری طرح منطبق نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے امکانی حدود اربع پر باتیں ہو سکتی ہیں۔ "حسنِ خیال" کی ابتدا دو نعتوں سے ہوتی ہے دینی امور کو فن میں ڈھالنے کے لئے پاکیزگی کے ساتھ ہی رموزِ دین کی گہرائی اور امرِ حق کی وسعت کا درک لازمی ہے نعت نگاری کے فن کو ایک طرف صحیح مقررہ اور متعینہ سمت اور دوسری طرف سرمدی نکھار بخشتا ہے۔ یہ شرائط خوشتر منگرولی کی نعت نگاری میں نمایاں بھی ہیں اور مکمل بھی۔

جو رضا ان کی ہے مرضی ہے وہی خالق کی : امر معبود ہے فرمان رسولِ عربی صلعم

کیا روح فزا روضۂ اقدس کی فضا ہے : ہے غیرتِ فردوس مدینے کی سحر بھی

قادر الکلامی خود ایک ادبی صنعت ہے، یہ صنعت اکتسابی بھی ہو سکتی ہے اور قدرتی و دیعت بھی۔ اس صنعت کو جلا گہرے ریاض سے بھی مل سکتی ہے اور فطری ذہانت سے بھی۔ خوشتر منگرولی کا یہ کمال ہے کہ جہاں وہ سہل ممتنع میں ایسے اشعار کہہ سکتے ہیں

بات اے ناصح تری، اچھی سہی : چھوڑ دوں عشقِ بتاں، اچھی کہی

میرے مرنے کی خبر سن کر کہا : ہونے والی بات تھی، ہو کر رہی

مل گیا بچھڑا ہوا جب کوئی دوست : کچھ سنی اس کی تو کچھ اپنی کہی

وہیں وہ اظہارِ مدعا میں ایسے الفاظ اور فقرے بھی اپنے اشعار میں باندھ جاتے ہیں جو شعر و شاعری میں اجنبی ہونے کے باوجود ابلاغ کے معاملے کو کہیں سے الجھنے نہیں دیتے۔

زیست کے نازک ترین اک موڑ پر : تھم گیا تھا اشہبِ عمرِ رواں

احتباس بول لاحق ہو گیا : پڑ گئی ضغطہ میں جانِ ناتواں

عربی اور فارسی ہی کے الفاظ پر منحصر نہیں بلکہ کھڑی بولی بھاشا یا پراکت کے الفاظ کو اردو اشعار میں نہایت بے تکلفی اور روانی سے پرو دیتے ہیں۔

دیکھے ہیں سنیاسی بھاری : ابدھوت اتیت جٹا دھاری

بھگتی کی ہے ریت نیاری : اور روپ انوکھے اے جوگی

کیوں انگ بھبھوت لگائی ہے : کیوں دھونی بن میں رمائی ہے

کیا من میں تیرے سمائی ہے : سب چھوڑ دے جھگڑے اے جوگی

اظہار مدعا میں آلۂ الفاظ دلیری سے اس احتیاط کے ساتھ استعمال کر لینا کہ ابلاغ میں رکاوٹ نہ پیدا ہو، بلکہ ترسیل کے مسئلے اور بھی منجھ جائیں ایک نہایت جرأت مندانہ قدم ہے، اور خوبصورتی اور چابکدستی سے خوشترؔ منگرولی نے مناسب الفاظ کو مصرعوں میں جڑ دیا ہے ان کے معاصرین میں اس بیباکی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

سرجری میں آپ ہیں اپنی مثال : ان سے جاکر کیجئے حالت بیاں

بعد تشخیصِ مرض موصوف نے : دی صلاحِ آپریشن بے زیاں

خوشترؔ منگرولی کی نظم "خوابِ عبرت" دنیا داری کے خلاف ایک منظوم دستاویز ہے۔ اس نظم میں جہاں انہوں نے اخلاقیات اور شائستگی کے مختلف اور متنوّع گوشے کی نقاب کشائی کی ہے۔ وہیں انہوں نے اپنے استعداد منظر کشی کو عروج پر پہنچا دیا ہے۔

کیا کہوں کیسا سماں دلچسپ تھا پیشِ نظر : چل رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی جب نسیمِ خوشگوار

اپنا اندازِ خرامِ ناز دکھلاتی ہوئی : آتی تھی اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی بادِ بہار

سبزہ تھا سرسبز، مثلِ سبزۂ خطِ حسیں : اور جوانانِ چمن تھے مست مثلِ بادہ خوار

اک طرف گیسو سنوارے سُنبلِ پُر پیچ تھی : آنکھ کھولے اک طرف نرگس تھی محوِ انتظار

منظر کشی میں صنائع و بدائع کے التزام اور ایہام و علامات کی سجاوٹ کے ساتھ ہی سراپا نگاری میں بھی ادب عالیہ کے تمام اقدار کارفرما ہیں۔

یعنی تھی پیشِ نظر اک نازنینِ خوش جمال : حسنِ دلکش، شکل دلجو، سرو قامت، گلعذار

شکل اس کی گو بہ بظاہر بھولی بھالی تھی بہت : اپنا وارفتہ بنا لینے میں لیکن ہوشیار
حسن وہ دلکش کہ گلہائے چمن شرمندہ ہوں : سرخیٔ رخسار وہ، رنگِ چمن جس پر نثار
فکر کے آثار کچھ تھے، کچھ تبسم زیر لب : تھا چھلکتا چشمِ میگوں سے جوانی کا خمار

خوشتر منگرولی کی نظم "آدمی" دراصل انسانیت کا منشور ہے اور نظم "ہم لوگ" میں انسانی اقدار کے عروج و زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دونوں نظموں کے اظہار و اسالیب مرصّع بھی ہیں اور عام فہم بھی۔ شیریں حقائق پر بھی مبنی ہیں اور تلخ صداقت پر بھی۔ اس کے ساتھ ہی ان نظموں کے مطالعہ سے موجودہ دنیا کے کئی اہم مسائل سامنے آتے ہیں، مندرجہ ذیل اشعار میں خلائی سفر، اسلحہ بندی اور نسل پرستی کی پرچھائیوں کو ٹھوس تخلیقی ادب کی طرف پہلا قدم سمجھنا چاہیئے۔

مہر و مہ تک بھی لوگ پہنچے ہیں — اب تلک محوِ خواب ہیں ہم لوگ
کرنے لگا فلک پہ ہے پرواز آدمی : کیا کیا دکھائے دیکھئے اعجاز آدمی
جس سے نہ ہو ہلاکت انساں میں دیر کچھ : کرتے ہیں پیدا ایسے نئے ساز آدمی
اطوار اس کے پاک ہوں اعمال نیک ہوں : پروا نہیں، اگر ہو سیہ فام آدمی

خوشتر منگرولی کی نظم "ابھی اندھیرا ہے" اور "جوگی" دونوں ہی آزادیٔ وطن کے موضوع پر ہیں اور نظم "ہم لوگ" میں انہوں نے جس خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ

دشمنِ ملک خائنِ ملت : کیسے عزت مآب ہیں ہم لوگ
کرسئ اقتدار حاصل ہے : قوم پر اک عذاب ہیں ہم لوگ

نظم "ابھی اندھیرا ہے" میں اظہار کی شدت کچھ فزدں ہو گئی ہے اور خوشتر منگرولی نے بیباکی سے کہدیا ہے کہ

ہزاروں راہزنوں کا ہے راہ میں کھٹکا : نہ گھر سے ایسے میں جاؤ، ابھی اندھیرا ہے

کبھی نہ سرد ہو بازار قتل و اغوا کا : الاؤ اور جلاؤ، ابھی اندھیرا ہے

ہر ایک چیز ملاوٹ کی ملتی ہے خالص : کچھ اور بھاؤ بڑھاؤ ابھی اندھیرا ہے

نقاب اٹھ گیا رخ سے حجاب آنکھوں سے : شرابِ عیش اڑاؤ ابھی اندھیرا ہے

لیکن نظم "جوگی" میں انہوں نے گوشہ نشینی کا کردار وضع کیا ہے اور وطن کے نظام کار پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔ نظم کا ابتدائی حصہ شیریں آرزوؤں، خواب آور امنگوں اور طلسمی تمناؤں کے رنگ سے بنا نظر آتا ہے۔

اب دیس نے مُکتی پائی ہے : سُکھ چین کی بدلی چھائی ہے

اور بادِ بہاری آتی ہے : جاگے ہیں نصیبے اے جوگی

اب دودھ کی ندیا بہتی ہے : اب دھرتی ہیم اگلتی ہے

اب اپنی کوڑی چلتی ہے : جھنڈے ہیں ترنگے اے جوگی

لیکن نظم کے آخری تمام بند ریشمی اور طلسمی تانے بانے توڑ کر نکل آتے ہیں اور ان کی تعمیر صرف حقائق اور صداقت آمیز کھردرے لفظوں اور ناہموار علامتوں سے ہونے لگتی ہے۔

کیا پریت کی ریت سکھاتا ہے : اُس جاتی کے گن گاتا ہے

جو ناحق رکت بہاتا ہے : کیا آشا ان سے اے بابا

گوروں کی جگہ ہیں جن کالے : ٹوپی اُجلی ہے من کالے

بازار بھی کالے دھن کالے : سب کالے کالے اے بابا

کرسی کا بھوکا ہر نیتا : جنتا کی کرے گا کیا سیوا
بازار لگا ہے رشوت کا : چھائے ہیں اندھیرے اے بابا
رشوت کی دکانیں دفتر ہیں : خود مالک اس کے افسر ہیں
شرنارتھی ابتک بے گھر ہیں : رستوں پہ بھٹکتے اے بابا
گاندھی کا دم بھرتے ہیں : مانو کی ہنسا کرتے ہیں
ہر سے بھی نہیں اب ڈرتے ہیں : گاندھی کے چیلے اے بابا

خوشتر منگرولی کی سیاسی بصیرت تیز بھی ہے اور دور رس بھی۔ وہ اپنے سیاسی تاثرات غزلوں میں غزل کے مزاج کے مطابق پیش کرتے ہیں لیکن نظموں میں ان مسائل کا اظہار موقع محل کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ عالمی مسائل پر بھی وہ طائرانہ نظر رکھتے ہیں۔ جس کا اظہار نظم "جوگی" میں ایک جگہ یوں ہوا ہے:

بت آشا کا ہے امریکا : اب اُن داتا ہے امریکا
بھگوان بنا ہے امریکا

لیکن نظم "ڈھاکا، ۱۹۶۲ء" میں ان کی سیاسی بصیرت تمام دبیز پردوں کو چاک کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی تھی جن کے نتائج عام قاری پر ۱۹۷۱ء کے آخری ایام میں منکشف ہوئے۔

آتشیں مادّوں کو آیا تاؤ : خفتہ شعلوں کا جل اٹھا ہے الاؤ
پار پدما کے کس طرح اتریں : مختلف سمت میں ہے اس کا بہاؤ
مچھلیوں کا نہنگ دریا سے : جنگجو یانہ ہو گیا برتاؤ

اور اس نظم کے آخری شعر میں انہوں نے اربابِ حل و عقد کے لئے اک دردمند اپیل کی گنجائش

بھی رکھی تھی۔

اے سیاہ و سفید کے مالک : اب سیاست کی گتھیاں سلجھاؤ

اس مجموعہ میں خوشترؔ منگروالی کی نظم "مناظرۂ چشم و دل" ایک قدیم مبحث پر مبنی ہے اور دل کا یہ دعویٰ ہے کہ "میں اک سرچشمۂ وحدت بھی ہوں اللہ کا گھر بھی" یا "سمجھتے ہیں حریمِ پاک اربابِ وفا مجھ کو" اور آنکھوں پر یہ الزام کہ "تجھی سے عشق کی بنیاد مجھ میں ہو گئی قائم" یا "تری نظارہ بازی نے جہاں میں کر دیا رسوا" ادھر آنکھوں کا یہ عذر کہ "یہ سچ ہے اچھی صورت کا نظارہ مجھ کو بھاتا ہے" لیکن یہ ردِّ الزام کہ "صنم خانہ خدا کے گھر کو حضرت ہی بناتے ہیں"۔ نہایت نپے تلے اور سریع الاثر مکالمے ہیں۔ اس معاملے کا فیصلہ دربارِ حسن و عشق میں خوشترؔ منگروالی نے نہایت خوبصورتی سے کرایا ہے کہ اشکباری آنکھوں اور بیقراری دل کا مقدر ہے۔

"ناتمامِ آرزو" خوشترؔ منگروالی کی ایک غنائیہ نظم ہے اور یہ براہ راست اندرونی جذبات اور داخلی احساسات کو متاثر کرتی ہے۔

ٹھنڈی ہوا لہرائے تو : کالی گھٹا جب چھائے تو
دل کی فضا برمائے تو جذبات سے بھڑکائے تو
ایسے میں تو یاد آئے تو تو ہی بتا میں کیا کروں

فصلِ بہاراں کے مزے : وہ آم کے پیڑوں تلے
جھولے وہ پھولوں کے لدے : نغمے وہ شعلہ خیز سے
شیریں، سُریلے، مدھ بھرے : ہم تم تھے اور عیشِ فزوں

خوشتر منگرولی کی غزلیں موضوع اور مواد سے قطع نظر اپنے آہنگ اور اسلوب کے لحاظ سے تین خوبصورت سمتوں کی حامل ہیں۔ ان کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے اور اپنے مدعا کو کسی بھی پیرایۂ اظہار میں خوبصورتی سے ڈھال دیتے ہیں۔ ان کو داخلی اور خارجی دونوں معاملات کو غزل میں پرونے کا گر آتا ہے اور وہ غزل کا پورا تاثر قائم رکھتے ہیں۔ غزل نے ابتدا سے ابتک اظہار کے جتنے سانچے تیار کئے ہیں۔ خوشتر منگرولی نے اس پر طبع آزمائی کی ہے اور غزل کو تخلیقی محاسن سے سنوارا ہے

بزم میں جو کچھ کہا اس چشم نے : ہم ہی سمجھے، بات تھی جو اَن کہی

کیوں نہ ہم اپنی سی کر کے دیکھ لیں : بات اَن ہونی تو ہونے سے رہی

بردباری عشق میں حاصل ہوئی : جو پڑی افتاد خوش ہو کر سہی

اس سیدھے سادے طرز اور رواں دواں انداز کے ساتھ ہی خوشتر منگرولی کا کلام ریختہ کے انداز بیان میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔

ملی ایسی قسمتِ منقلب کہ بساطِ عیش اُلٹ گئی : جو لگائی بازیٔ عشق تو کبھی جیت گئی کبھی پٹ گئی

شب آخری کا چراغ ہوں نہ بہار دیکھی وہ باغ ہوں : میں وہ بدنصیب ایاغ ہوں جسے بادِ تند اُلٹ گئی

وہ کلی ہوں میں جو کھلی نہیں وہ ہوں تے جو کھو کے ملی نہیں : وہ شباب ہوں جو گزر گیا وہ ہوں عمرِ رفتہ جو کٹ گئی

پاکیزگی غزل نگاری کا ایک قدیم رجحان رہا ہے اور یہ رجحان ہمیشہ تصوف کی فکری اور اخلاقی بلندی پر استوار کئے گئے ہیں۔ سلوک اور معرفت کی رنگ آمیزی سے ایک طرف غزلوں کو نکھار اور دوسری طرف پاکیزگی ملی ہے۔ خوشتر منگرولی غزل نگاری کی باریک سے باریک برت سے آگاہ ہیں اور سلوک و تغزل کے امتزاج کو خوب نبھاتے ہیں۔
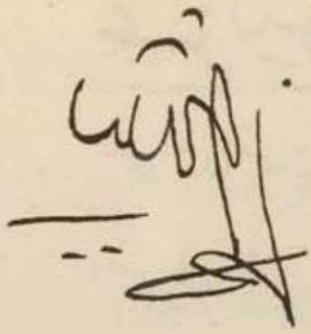
وہ جلوہ ہائے حقیقت بسے ہیں نظروں میں : کہ دلنشیں کوئی حسن مجاز ہو نہ سکا
کریم دیکھ کے تیری یہ بے طلب بخشش : کسی کے سامنے دامن دراز ہو نہ سکا
سزائے جرم و معاصی کا درک تھا لیکن : نہ اختیار رہا، احتراز ہو نہ سکا
خموش ہو کے بھی دل نالہ کش رہا ہر دم : نوائے سوز سے خالی یہ ساز ہو نہ سکا

عالم میں بیخودی کے مجھے گمرہی نہ تھی : خود آگہی کے کیف میں بھی خودسری نہ تھی
گہہ ہوش میں تو گاہ رہا وقفِ بے خودی : ساقی کی چشم لطف کبھی تھی کبھی نہ تھی

معاملہ بندی تغزل کی جان ہے۔ اس میں زبان و بیان، صنائع و بدائع، تشبیہہ و استعارہ اور ایہام و تلمیح کے بڑے بڑے معرکے سر ہوتے ہیں۔ خوشتر منگروی تغزل کے معاملے میں اپنے معاصرین سے بہت آگے نہیں تو بہت پیچھے بھی نہیں ہیں۔

تجدیدِ رسم و راہِ محبت بری نہ تھی : تم چاہتے تو بات کچھ ایسی بڑی نہ تھی
کی رونق اپنے ایک نشیمن کو باغباں : کس شاخِ گل پہ باغ میں بجلی گری نہ تھی
رضواں فضائے خلد خوش آئند ہی سہی : دنیا بھی آدمی کے لئے کچھ بری نہ تھی

عالم ہے ان پہ حسن کا دن ہیں شباب کے : شعلے بھڑک رہے ہیں نئے انقلاب کے
نوخیز گلرخانِ چمن سے وہ ربط و ضبط : یاد آ رہے ہیں ہائے زمانے شباب کے
تشبیہہ کس سے دوں تری آنکھوں کو مستِ ناز : گویا چھلک رہے ہیں کٹورے شراب کے

بہ شوق ساتھ چلوں میکدے کی جانب بھی : زبانِ پاک سے زاہد اگر کہے تو چلوں
حرم کی سیر کو اے شیخ میں بہ شوق آؤں : وہاں بھی دورِ مئے ارغواں چلے تو چلوں

خوشتر منگرولی کی عمر اگر سو سال نہیں تو دو چار برس کم ہوگی۔ ان کی عمر صدی کے آخری سرے کو چھو رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ تخلیق، تفکر اور تغزل کے معاملے میں تازہ دم ہیں اور ان کا دعویٰ بھی ہے کہ

اک دبی آگ کے شرارے ہیں
شعلۂ انقلاب ہیں ہم لوگ

ڈھاکا
یکم دسمبر ۱۹۸۵ء

(لئو شاد لئوری)

نعت

غزلیں

نظمیں

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ اللہ ہے عجب شانِ رسولِ عربیؐ
آپ خالق ہے ثنا خوانِ رسولِ عربیؐ

عرش رتبہ میں ہے ایوانِ رسولِ عربیؐ
کیوں نہ جبریل ہوں دربانِ رسولِ عربیؐ

جو رضا اُن کی ہے مرضی ہے وہی خالق کی
امرِ معبود ہے فرمانِ رسولِ عربیؐ

وہ ہیں سردارِ رُسل، فخرِ رُسل، ختمِ رُسل
تاجِ لولاک ہے شایانِ رسولِ عربیؐ

چاہیں تو مردۂ صد سالہ کو زندہ کر دیں
وہ مسیحا ہیں غلامانِ رسولِ عربیؐ

اے زلیخا نظر آجائے جو روئے زیبا
تیرے یوسف بھی ہوں قربانِ رسولِ عربیؐ

ہم بھی طیبہ کی طرف ہوں گے روانہ خوشتیؔ
جبکہ ہو جائے گا فرمانِ رسولِ عربیؐ

نعت

بعد الحج ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ

دیکھا وہ حرم اور وہ اللہ کا گھر بھی — جھکتے ہیں جہاں جنّ و بشر شمس و قمر بھی

روشن ہوا دل دیکھ کے اللہ کا گھر بھی — روضے کی زیارت سے منور ہے نظر بھی

کیا روح فزا روضۂ اقدس کی فضا ہے — ہے غیرتِ فردوس مدینے کی سحر بھی

ہوتی ہے ہمہ وقت یہاں بارشِ رحمت — اک نعمتِ عظمیٰ ہے مدینے کی سحر بھی

جس دل میں محبت ہے رسولِ عربیؐ کی — چھو سکتی نہیں اس کو کبھی نارِ سقر بھی

میں حج و زیارت سے مشرّف جو ہوا ہوں — تھی مرضیٔ مولا بھی دعاؤں کا اثر بھی

تھی خالدِ دلبند کی ممنون وساطت — آسان نہ پھر کیوں ہو یہ دشوار سفر بھی

تو رہبرِ انسان ہے تو مصلحِ عالم — اے احمدِ مرسلؐ تو پیمبر بھی بشر بھی

ہے ہند کے گوشے میں پڑا خستۂ عاصی

اے رحمتِ عالم نگہِ مہر ادھر بھی

ملی ایسی قسمتِ منقلب کہ بساطِ عیش اُلٹ گئی
جو لگائی بازیٔ عشق تو کبھی چت گئی کبھی پٹ گئی

شبِ آخری کا چراغ ہوں، نہ بہار دیکھی وہ باغ ہوں
میں وہ غم نصیب ایاغ ہوں جسے بادِ تند اُلٹ گئی

وہ کلی ہوں میں جو کھلی نہیں، وہ ہوں شے جو کھو کے ملی نہیں
وہ شباب ہوں جو گزر گیا، وہ ہوں عمرِ رفتہ جو کٹ گئی

جو نہ پھولنے پھلنے پاتی تھی، جو نہ برگ و بار ابھی لاتی تھی
وہی شاخِ نخلِ اُمید ہوں، جو بہار آتے ہی کٹ گئی

وہ مرض ہوں جس کی دوا نہیں وہ ہوں ساز جس کی صدا نہیں
وہ گھر ہوں جس میں ضیا نہیں وہ میں نیند ہوں جو اُچٹ گئی

غم و رنجِ رفتہ کا ذکر کیا، جو تھا ہونے والا وہ ہو چکا
جو گزر گئی وہ گزر گئی، جو نپٹ گئی وہ نپٹ گئی

نہیں دوستوں میں وہ یکدلی، چلی خوشترؔ ایسی ہوا بری
نہ کسی میں بوئے وفا رہی، نہ دلوں سے ان کے کپٹ گئی

اسیرِ ناز رہا سرفراز ہو نہ سکا
نیاز مند ترا بے نیاز ہو نہ سکا

وہ جلوہ ہائے حقیقت بسے ہیں نظروں میں
کہ دلنشیں کوئی حُسنِ مجاز ہو نہ سکا

کریم دیکھ کے تیری یہ بے طلب بخشش
کسی کے سامنے دامن دراز ہو نہ سکا

تھی بے خودی تو حقیقت میں ایک بات بڑی
سُرور بخش کبھی کیف مجاز ہو نہ سکا

سزائے جرم و معاصی کا ڈر تھا لیکن
نہ اختیار رہا احتراز ہو نہ سکا

فروتنی ہی سے جس کو ملا عروج ملا
جو سر بلند ہوا، سرفراز ہو نہ سکا

کسی کے جلوۂ رنگیں میں یہ دورنگی تھی
نظر نوار ہوا ، دل نواز ہو نہ سکا
خموش ہو کے بھی دل نالہ کش رہا ہر دم
نوائے سوز سے خالی یہ ساز ہو نہ سکا
بس ایک آہ نے قصہ ہی کر دیا کوتہ
فسانۂ غمِ ہستی دراز ہو نہ سکا

مطیعِ حکم قضا و قدر رہا خوشتر
کشیدہ بندۂ ناز و نیاز ہو نہ سکا

حسنِ خود بیں ہے اسیرِ گمرہی
عشقِ خود سر بے نیازِ آگہی

بات اے ناصح تری اچھی سہی
چھوڑ دوں عشقِ بتاں اچھی کہی

میرے مرنے کی خبر سُن کر کہا
ہونے والی بات تھی ہو کر رہی

مل گیا بچھڑا ہوا جب کوئی دوست
کچھ سنی اس کی تو کچھ اپنی کہی

بزم میں جو کچھ کہا اُس چشم نے
ہم ہی سمجھے بات تھی جو اَن کہی

کیوں نہ ہم اپنی سی کر کے دیکھ لیں
بات اَن ہونی تو ہونے سے رہی

چاہتا ہوں اور چاہوں گا تمہیں
میں کسی قابل نہیں یونہی سہی

فکر نے ہر امر ممکن کر دیا
اب نہ کوئی بات اَن ہونی رہی

آسماں بازیچۂ اطفال ہے
کھو نہ دے ہم کو کہیں خود آگہی
رہتے ہیں کچھ کچھ کھنچے سے آجکل
راہ پر ان کو لے آؤں تو سہی
بردباری عشق میں حاصل ہوئی
جو پڑی افتاد خوش ہو کر سہی
جانے والے کارواں سے جا ملے
چھوڑ کر مجھ کو مرے سب ہمرہی

کس طرح دل اس سے خوشتر میل کھائے
جو ہوا اخلاص و محبت سے تہی

حریمِ ناز میں چلنے کو دل کہے تو چلوں
وہاں مچل کے نہ رسوا مجھے کرے تو چلوں

نہ ہے انتظار کہ سورج ذرا ڈھلے تو چلوں
چراغِ شامِ طلب بھی ادھر جلے تو چلوں

بہ شوق ساتھ چلوں میکدے کی جانب بھی
زبانِ پاک سے زاہد مگر کہے تو چلوں

چلا چل اے دلِ تنہا طلب تنِ تنہا
یہ کیا کہ ہمرہی کوئی اگر چلے تو چلوں

اگرچہ وجہِ کشش تو ہے ابرِ میخانہ
میں منتظر ہوں کہ چھینٹا کوئی پڑے تو چلوں

نہ جانے جا کے وہاں حشر کیا کرے برپا
حضورِ یار دلِ بے قرار لے تو چلوں

حرم کی سیر کو اے شیخ میں بہ شوق آؤں
وہاں بھی دورِ مئے ارغواں چلے چلوں

خراب و خستہ وطن میں پڑا ہوا ہوں میں
سکونِ قلب کی منزل کہیں ملے تو چلوں

میں تھک کے بیٹھ گیا ہوں قریبِ منزل کے
قدم کے ساتھ ذرا حوصلہ بڑھے تو چلوں

مُصر ہے دل کہ درِ یار پر ابھی چلئے
مگر مجھے ہے تامّل کہ دن ڈھلے تو چلوں

سنا ہے امن و مسرت وہاں ہے اے خوشتر
سبب بھی ترکِ وطن کا کوئی ملے تو چلوں

۱۔ کراچی

عالم میں بیخودی کے مجھے گمرہی نہ تھی
خود آگہی کے کیف میں بھی خودسری نہ تھی

تجدیدِ راہ و رسمِ محبت بری نہ تھی
تم چاہتے تو بات یہ اتنی بڑی نہ تھی

جب آپ مِل گئے تو مجھے کیا بھرم نہ تھا
سبزہ نہ تھا، شراب نہ تھی، چاندنی نہ تھی

گہ ہوش میں تو گاہ رہا وقفِ بےخودی
ساقی کی چشمِ لطف کبھی تھی کبھی نہ تھی

کیا روؤں اپنے ایک نشیمن کو باغباں
کس شاخِ گل پہ باغ میں بجلی گری نہ تھی

رضواں فضائے خلد خوش آئند ہی سہی
دنیا بھی آدمی کے لئے کچھ بری نہ تھی
پھر دل میں ہو رہی ہے خلش دردِ عشق کی
بے لطف زندگی تو کوئی زندگی نہ تھی

سودا یہ وہ گراں تھا کہ جاں دیتے ہی بنی
خوشتر یہ عاشقی تھی، ہنسی دل لگی نہ تھی

عالم ہے ان پہ حسن کا دن ہیں شباب کے
شعلے بھڑک رہے ہیں نئے انقلاب کے

نوخیز گلرخانِ چمن سے وہ ربط ضبط
یاد آ رہے ہیں ہائے زمانے شباب کے

تشبیہ کس سے دوں تری آنکھوں کو مستِ ناز
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے شراب کے

محصور یوں ہے کلبۂ احزاں میں زندگی
جیسے کہ خشک پھول ہو اندر کتاب کے

اے دوست آ کہ مل کے بہ عشرت گزار دیں
پھر لوٹ کر نہ آئیں گے دن یہ شباب کے

روپوش یوں وہ ہو گئے دکھلا کے اک جھلک
مٹ جائے جیسے دیکھتے ہی نقش خواب کے

گزرے ہیں جب بھی کوچے سے دیوانہ وار ہم
اُٹھ اُٹھ گئے ہیں چہروں سے پردے حجاب کے

خوشتر صفائے قلب سے ملئے ہر ایک سے
اچھے نہیں ہیں رنگ جہانِ خراب کے

خوابِ عبرت

ایک شب میں بسترِ راحت پہ تھا لیٹا ہوا
لے رہا تھا کروٹیں پہلو بدل کر بار بار

لیکن آتی تھی کسی پہلو سے بھی مجھ کو نہ نیند
ماہیٔ بے آب یا سیماب سا تھا بے قرار

جب ہوئی یونہی پریشانی میں آدھی رات ختم
نیند کا غلبہ ہوا آنکھوں میں آیا کچھ خمار

آنکھ میری لگ گئی اور دفعتاً نیند آگئی
جلوہ گر وہ ہوگئی جس کا تھا مجھ کو انتظار

دفعتاً میں دیکھتا ہوں عالمِ رویا میں کیا
پُر فضا اک باغ ہے اور خوشنما ہے سبزہ زار

جی میں آیا کیجئے تفریح اس گلزار کی
تاکہ حاصل ہو دلِ بیتاب کو لطفِ بہار

قصد کر کے ہوگیا داخل میں اس گلزار میں
ہو گئے پیشِ نظر فرحت فزا نقش و نگار

تھی شبِ تاریک کی ظلمت کہیں کچھ کچھ عیاں
صبح کی کچھ کچھ سفیدی تھی افق پر آشکار

کیا کہوں کیسا سماں دلچسپ تھا پیشِ نظر
چل رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی جب نسیمِ خوشگوار

اپنا اندازِ خرامِ ناز دکھلاتی ہوئی
آتی تھی اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی بادِ بہار

سبزہ تھا سرسبز مثلِ سبزۂ خطِ حسیں | اور جوانانِ چمن تھے مست مثلِ بادہ خوار

اک طرف گیسو سنوارے سنبلِ پرپیچ تھی | آنکھ کھولے اک طرف نرگس تھی محوِ انتظار

محوِ حیرت اک طرف شمشاد صحنِ باغ میں | نعرۂ حق سرہٗ قمری کے لب پر بار بار

تھی پپیہے کی صدائے دردآگیں "پی کہاں" | کرتی تھی آواز یہ بے چین دل کو بار بار

محوِ حیرت تھا نہ تھی اپنی بھی کچھ مجھ کو خبر
دیکھ کر اس پُر فضا گلزار کے نقش و نگار

دیر تک کرتا رہا گلگشت اس گلزار کی | گھومتا پھرتا تھا اس کی ہر روش پر بار بار

مانگ ہو دلبر کی جیسی یوں روش سیدھی تھی ایک | ہر دو جانب جس کے تھی پھولوں کے گملوں کی قطار

ختم ہوتی تھی روش یہ عین وسطِ باغ میں | سامنے اس کے بنی تھی اک عمارت شاندار

جس کی ہر دیوار اور سقف و ستوں پر سبز سبز | کچھ عجب انداز سے بیلیں چڑھی تھیں پیچدار

اس مکاں کے متصل تھا حوض بھی اک خوشنما | گر رہے تھے جس کے فوارے سے موتی آبدار

قطرہ ہائے آب بھی دیتے تھے عبرت کا سبق | حالِ نیرنگِ زمانہ پر تھے وہ بھی اشکبار

طائرانِ باغ کا مجمع کنارِ حوض تھا | کر رہے تھے جو زباں میں اپنی حمدِ کردگار

ناگہاں آنکھوں کو وہ منظر نظر آیا کہ آہ
رہ گیا دل تھام کر رخصت ہوئے صبر و قرار

یعنی تھی پیشِ نظر اک نازنینِ خوش جمال
حسن دلکش شکل دلجو سرو قامت گلعذار

حسن کی دیوی تھی وہ یا حسن کی تصویر تھی
یا کوئی آئی تھی اندر کی پری ہو کر فرار

شکل اُس کی گو بظاہر بھولی بھالی تھی بہت
اپنا وارفتہ بنا لینے میں لیکن ہوشیار

حسن وہ دلکش کہ گلہائے چمن شرمندہ ہوں
سرخیٔ رخسار وہ رنگ چمن جس پر نثار

فکر کے آثار کچھ تھے کچھ تبسم زیرِ لب
تھا جھلکتا چشمِ میگوں سے جوانی کا خمار

ٹھوڑی پر رکھے ہوئے تھی ایک انگلی ناز سے
مثلِ نرگس ہو رہی تھی وہ ہمہ تن انتظار

دیکھ کر اس نازنیں کے حسن دلکش کی ادا
دل میں آیا کیجیے دل نذر نقد جاں نثار

پیشتر اس کے کہ بڑھتے پائے شوق اسکی طرف
سامنے آیا نظر آتا ہوا اک بے قرار

تیز تر آتا ہوا اس نوجواں کو دیکھ کر
ہو گیا دل تھام کر میں زیرِ نخلِ سایہ دار

نازنینِ سرو قد کا والہ و شیدا تھا یہ
یا تھا اس کا طائرِ دل دامِ گیسو کا شکار

باہم آنکھیں چار ہوتے ہی ہنسی وہ نازنیں
کیونکہ تھا پیشِ نظر مقصودِ چشمِ انتظار

دیکھا آنکھوں نے قرانِ آفتاب و ماہتاب — کیونکہ مہر و ماہ تھے یکجا زمیں پر آشکار
باغِ عالم میں تھا گویا بلبل و گل کا وصال — گل پہ بلبل تھی فدا اور گل تھا بلبل پر نثار
کر کے کچھ گلگشت واپس آئے صحنِ باغ میں — بیٹھے نیچے اک شجر کے چین سے وہ کامگار
تخلیہ میں لطف کی کچھ گفتگو ہونے لگی — کر کے کچھ شکوے ہوئے آپس میں پھر عہد و قرار
نوجواں کرتا ہر اک صورت سے اس کی دلدہی — نازنیں کو گر گزرتا لفظ کوئی ناگوار
رو کے کہتا دست بستہ اے گلِ گلزارِ حسن — میں تو ہوں تیری نگاہِ لطف کا امیدوار
تھا رضا پر اس کی راضی اور خوشی پر اس کے خوش — گر بگڑ جاتی ذرا بھی وہ تو ہوتا اشکبار
شغلِ مے ہونے لگا بوتل کا کاگ اڑنے لگا — ساغرِ صہبا اسے دینے لگی وہ بار بار
بن کے ساقی وہ پلاتی اور وہ پیتا شوق سے — کوئی کہتا تھا بگیر اور کوئی کہتا تھا بیار
کثرتِ گردش سے گو پیمانہ بھی تھا چور چور — کم نہ کچھ بھی نشّۂ مے کا ہوا لیکن خمار

رنگ جب اپنا جمایا بادۂ گلرنگ نے
نوجواں کے ہو گئے ہوش و خرد قطعاً فرار

یک بیک وہ ساقیٔ گلفام آئی ہوش میں — اور فرضِ منصبی میں ہوگئی مصروف کار

یعنی اس مہوش نے پاکر اس کو مدہوشِ شراب — پھیر دی اس کے گلے پر اپنی تیغ آبدار

پھر تو مجھ سے منظرِ خونیں نہ یہ دیکھا گیا — دوڑ کر میں جا ہی پہنچا اس جگہ پر بیقرار

ڈانٹ کر اس نازنینِ سنگدل سے یہ کہا — کیوں کیا اس نوجواں کو نذرِ تیغِ آبدار

سچ بتا تو کون ہے بے مہر قاتل بیوفا — بے خطا کیوں اس کو مارا جس کو تو کرتی تھی پیار

دیکھ کر میری طرف اک ناز سے وہ نازنیں — بولی کیا واقف نہیں؟ مجھ سے تو اے غفلت شعار

میں ہوں دنیا اور یہ ہے چاہنے والا مرا — باغِ عالم میں ہوں میں صیاد، وہ میرا شکار

دامنِ گل میں ہے پوشیدہ مرا دامِ فریب — خواہشِ گل میں جو آیا ہوگیا میرا شکار

چاہتی ہوں میں بھی اس کو دھوکہ دینے کیلئے

قتل کرتی ہوں اسے ہوتا ہے جو مجھ پر نثار

جب کلامِ حیرت افزا اس کا میں نے یہ سنا — کھل گئیں آنکھیں مری اور ہوگیا میں ہوشیار

دیکھ کر اس خوابِ عبرت ناک کو اے ہمدمو — دیدۂ پرنم ہوا حالِ بشر پر اشکبار

ہوگیا ثابت کہ دنیا بھی ہے اک خواب و خیال — اور مناظر اس کے سارے فانی و ناپائیدار

کچھ نہیں رنگِ جہاں اور کچھ نہیں تو اے بشر — کہہ رہے ہیں یہ زبانِ حال سے لیل و نہار

سونے والے خواب غفلت سے ذرا بیدار ہو — تو ہے فانی اور تیری زندگی بے اعتبار

کھول اب چشمِ حقیقت پردۂ غفلت ہٹا — دے رہے ہیں تجھ کو دھوکہ دہر کے نقش و نگار

آج جو گل ہیں شگفتہ کل وہ مرجھا جائینگے — آئے گی بادِ خزاں بھی ہے جہاں بادِ بہار

ہائے جس دنیا کو تو سمجھا تھا عشرت کا مقام — بے ثباتی اس کی ثابت ہے نہیں اس قرار

مائل اے خوشتر نہ ہونا اس کے خط و خال پر

زالِ دنیا نے کیا ہے اچھے اچھوں کا شکار

(ایک نامکمل نظم) اک ناتمام آرزو

کب تک یونہی شکوے کروں
وقفِ غمِ پنہاں رہوں
ہے اضطرابِ دل فزوں
تجھ بِن میں کیسے رہ سکوں
اے دشمنِ صبر و سکوں۔ کس سے کہوں حالِ زبوں

(۲)

ٹوٹا ہے مجھ پر کوہِ غم
آٹھوں پہر آنکھیں ہیں نم
راحت نہیں ہے ایک دم
کلفت نہیں ہوتی ہے کم
بچھڑا ہے جب سے تو صنم بے چین ہوں بے چین ہوں

(۳)

ٹھنڈی ہوا لہرائے تو
کالی گھٹا جب چھائے تو
دل کو فضا برمائے تو
جذبات کو بھڑکائے تو
ایسے میں تو یاد آئے تو ۔ تو ہی بتا میں کیا کروں

(۴)

یاد آتی ہے ساعت وہ اب
ہم تم تھے دونوں ایک جب
وہ صحبتِ بنتِ عنب
سینہ بہ سینہ لب بہ لب
بیگانۂ رنج و تعب ۔ زیرِ سپہرے نیلگوں

(۵)

فصلِ بہاری کے مزے
وہ آم کے پیڑوں تلے
جھولے وہ پھولوں سے لدے
نغمے وہ شعلہ خیز تھے
شیریں، سریلے مدھ بھرے۔ ہم تم تھے اور عیشِ فزوں

(۶)

اپنا نہ جب اپنا رہا
ھیں آشنا نا آشنا
تقدیر بھی ہے نارسا
اس کی نہیں پروا ذرا
تو بھی نہ جب میرا ہوا۔ کیسے جیوں، کیونکر جیوں

(۷)

دل نے بڑا دھوکا دیا
خوش فہمیوں ہی میں رہا
اک وقت ایسا آئے گا
ہو جائے گا تو پھر مرا
لیکن نہ ایسا ہو سکا
اے وائے بختِ واژگوں

ابھی اندھیرا ہے

بڑھا کے لَو نہ گھٹاؤ ابھی اندھیرا ہے
ابھی نہ شمع بجھاؤ ابھی اندھیرا ہے

جہاں میں شور مچاؤ ابھی اندھیرا ہے
نظامِ نَو کو بتاؤ ابھی اندھیرا ہے

ہنوز دور اجالا ہے رہزنو خوش ہو
چراغ گھی کے جلاؤ ابھی اندھیرا ہے

بھٹکتے اہلِ خرد ہیں رہِ سیاست میں
چراغ ان کو بتاؤ ابھی اندھیرا ہے

"شب زدہ" ہی سحر ہے نہ "داغ داغ سحر"
یہ سچ ہی کیوں نہ بتاؤ ابھی اندھیرا ہے

کہیں نہ دامنِ ظلمت کو چاک کر ڈالیں
عوام کو نہ جگاؤ ابھی اندھیرا ہے

حریف ظلمتِ شب روز کا اجالا ہے
چراغ دن میں جلاؤ ابھی اندھیرا ہے

سحر نہیں ہے یہ دھوکا ہے صبحِ کاذب کا
کہیں یہ بھول نہ جاؤ ابھی اندھیرا ہے

جو دے رہی ہے "نئی روشنی" نئی دنیا
دیا دیئے سے جلاؤ ابھی اندھیرا ہے

مہاجروں کے لئے جھونپڑے ہی رہنے دو
مکان اپنے بناؤ ابھی اندھیرا ہے

ہزاروں راہزنوں کا ہے راہ میں کھٹکا
نہ گھر سے ایسے میں جاؤ ابھی اندھیرا ہے

نقاب اُٹھ گیا رخ سے حجاب آنکھوں سے
شراب عیش اڑاؤ ابھی اندھیرا ہے
شباب و حسن و ادا کے مظاہرے کرکے
بہار اپنی لٹاؤ ابھی اندھیرا ہے
ہر ایک چیز مِلاوٹ کی ملتی ہے "خالص"
کچھ اور بھاؤ بڑھاؤ ابھی اندھیرا ہے
کہیں نہ سرد ہو بازار قتل و اغوا کا
الاؤ اور جلاؤ ابھی اندھیرا ہے

اک انقلاب ہی آکر جگائے گا خوشتر
ابھی نہ ہوش میں آؤ ابھی اندھیرا ہے
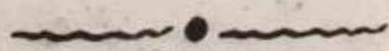
ہم لوگ

خستہ حال و خراب ہیں ہم لوگ — مستِ جامِ شراب ہیں ہم لوگ

کارِ دشوار سہل تھا کل تک — آج ناکامیاب ہیں ہم لوگ

کل تک اجڑے مکاں کئے آباد — آج خانہ خراب ہیں ہم لوگ

موجد و مخترع تھے ہر فن کے — آج بیکار و ناصواب ہیں ہم لوگ

جہل میں اپنا کون ثانی ہے — آپ اپنا جواب ہیں ہم لوگ

مہر و مہ تک بھی غیر پہنچے ہیں — اب تلک محوِ خواب ہیں ہم لوگ

بخت کو کیوں قرار دیں مجرم — اپنے ہاتھوں خراب ہیں ہم لوگ

اپنے ہم مشربوں کی مستی پر — شرم سے آب آب ہیں ہم لوگ

کرسیٔ اقتدار حاصل ہے — قوم پر اک عذاب ہیں ہم لوگ

دشمنِ ملک و خائنِ ملّت — کیسے "عزت مآب" ہیں ہم لوگ

ایک طوفانِ بے پناہ بھی ھیں گرچہ مثلِ حباب ہیں ہم لوگ
ایک دبی آگ کے شرارے ہیں شعلۂ انقلاب ہیں ہم لوگ
گوشے گوشے میں دہر کے چمکے جلوۂ آفتاب ہیں ہم لوگ
ایسے قحط الرجال عالم میں مغتنم اے جناب ہیں ہم لوگ
قدر کیجے ہماری ہستی کی دہر میں انتخاب ہیں ہم لوگ

خارزاروں میں پل کے بھی خوشتر
رنگ و بو میں گلاب ہیں ہم لوگ

ماضی و حال

بہت سادہ اخلاص و الفت کا پتلا
محبت کا پیاسا تھا انسان اگلا
مکیں تھا وہ نابخت دیوار و در کا
یہی رہنے سہنے کا اک آسرا تھا

لکھا اس پہ تھا "خیر مقدم" کا فقرہ
"قدم رنجہ فرمائیے بامسرت"

مگر آج جیسے ہو مخدوش ہر گھر
کوئی جاں ستاں جیسے خطرہ ہو اندر
رواں جیسے بجلی کی رو ہو سراسر

لکھا ہے یہ ہر گھر پہ اعلانِ خطرہ
"نہ داخل ہو اندر کوئی بے اجازت"

(انگریزی سے آزاد ترجمہ) نقل ۷۸ء

ڈھاکہ ۱۹۶۲ء میں

آتشیں مادّوں کو آیا تاؤ — خفتہ شعلوں کا جاگ اٹھا ہے الاؤ

ناخدا ہوشیار طوفاں سے — پھنس رہی ہے بھنور میں تیری ناؤ

پار پدما کے کس طرح اُتریں — مختلف سمت میں ہے اس کا بہاؤ

ناموافق ہوا ہے طوفاں ہے — بوڑھی گنگا میں ڈوبتی ہے ناؤ

پڑ گیا اتحاد خطرے میں — دیکھئے رنگ لائے کیا یہ تناؤ

یہ بھی نیرنگیٔ زمانہ ہے — ادنیٰ اعلیٰ میں بڑھ رہا ہے کھنچاؤ

مچھلیوں کا نہنگ دریا سے — جنگجویانہ ہو گیا برتاؤ

اے سیاہ و سفید کے مالک — اب سیاست کی گتھیاں سلجھاؤ

نوٹ: یہ اشعار ۱۹۶۲ء کی ڈائری سے نقل کئے گئے جبکہ میں پہلی مرتبہ اپنے فرزندان نیک نہاد محمد محسن اور خالد احمد سے ڈھاکا ملنے گیا تھا۔ بنگالیوں کا حکومتِ پاکستان سے آئے دن کا بڑھتا ہوا کھنچاؤ، شورش اور غوغا دیکھ کر اور ان سے متاثر ہو کر یہ چند اشعار زبان قلم سے بے اختیار نکلے تھے ان اشعار میں سے عاشقانہ اشعار مکمل کر کے غزل نمبر ۱۶۲ میں درج ہے۔

خوشتر منگرولی

مناظرۂ چشم و دل

بگڑ کر چشم سے یوں حضرتِ دل نے کہا اک دن — ترے باعث ہوا کیا کیا ذلیل و خوار و رسوا میں
ہوا سب کچھ وہ ممکن جس کو سمجھا تھا میں ناممکن — تری طوفاں طرازی سے نہیں اب کہیں کا میں

خدا جانے کہ فطرت میں تری یہ بات کیسی ہے — فدا ہو جاتی ہے جب دیکھ لیتی ہے حسیں کوئی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ تیری گھات کیسی ہے — نگاہوں سے تری محبوب بچ سکتا نہیں کوئی

ترا تو کام تھا نظارہ کرنا شانِ قدرت کا — خلاف امید کے لیکن بڑی بیباک تو نکلی
سمجھا تھا تجھے میں صرف سرچشمہ بصیرت کا — مگر عالم کے خوش چشموں سے لڑ کر جنگجو نکلی

نہ کرتا ماہ رویوں کے جو تو ہر بار نظارے — بتا پھر میں کسی کا عاشقِ ناشاد کیوں ہوتا
برستے آتشِ رخ کے اگر مجھ پر نہ انگارے — تو میرا خرمنِ صبر اس طرح برباد کیوں ہوتا

توہی تو عشق کو آنے کی مجھ تک راہ دیتی ہے — توہی تو میرے ایوانِ شکیبائی کو ڈھاتی ہے
تو خود روتی ہے اور مجھ کو فغان و آہ دیتی ہے — مجھے تڑپا کے تو بھی تو نہیں آرام پاتی ہے

زلیخا کو دکھائی حسنِ یوسف کی درخشانی — لگا یوسف پہ تیرے ہی سبب الزام نازیبا
دکھائی تو نے خوبی حسنِ شیریں اور لیلیٰ کی — کیا مشہور قصہ دہر میں فرہاد و مجنوں کا

سپیدی اور سیاہی سے تری عالم یہ روشن ہے — دو رنگی کے سبب سے ظاہر و باطن نہیں یکساں
تری ہستی زمانے میں فساد و شر کا گلخن ہے — توہی سامانِ بربادی توہی غارتگرِ ایماں

بھلا کس کو خبر تھی کون ہے یکتا زمانے میں — ادا و عشوہ و انداز میں کس کس کی شہرت ہے
دکھائے تو نے جلوے حسن کے ان مہ جبینوں میں — بتائے تو نے رستے توہی خضرِ دشتِ الفت ہے

نظارے خوشجمالوں کے تجھے ہر وقت بھاتے ہیں — ادھر دیکھا ادھر تاکا ادھر لپکی وہاں جھپکی
حسینانِ جہاں جو غمزۂ ابرو دکھاتے ہیں — وہی میرے لئے ہیں تیغ و خنجر تیر اور برچھی

ہزاروں بام پر دیکھے ہیں جلوے طور کے تو نے کرشمے حسن کے تیرے ازل سے دیکھے بھالے ہیں
بتا کیا پایا خوبانِ جہاں کو گھور کے تو نے مگر میں ہوں مصیبت میں مرے جینے کے لالے ہیں

تو بھولی صورتوں کو دیکھتی ہے ایسی للچا کر زر و لعل و گہر کو دیکھتا ہو جس طرح مفلس
تیری نظارہ بازی کا اثر کیونکر نہ ہو مجھ پر مرا احساں مند فطرت کس طرح آخر ہے بے حس

تری خانہ خرابی سے نہیں رونق ذرا باقی برستی رہتی ہے جس میں اداسی میں وہ دنیا ہوں
کسی کو رہتی ہے ہر وقت میری فکرِ بربادی کسی کے جی بہلنے کے لئے میں اک کھلونا ہوں

جہاں میں مضطر و رنجور میرے نام رکھے ہیں مجھ ہی کو کہتے ہیں وحشت زدہ مجھ کو ہی دیوانہ
مجھ ہی کو سب خراب و خستہ و بیتاب کہتے ہیں مجھ ہی کو لوگ شمعِ حسن کا کہتے ہیں پروانہ

تجھے تو جانتی ہے کون ہوں میں اور کیا ہوں میں چراغِ راہِ حق ہوں جادۂ مقصد کا رہبر بھی
صراطِ حق نما آئینۂ اہل صفا ہوں میں میں اک سرچشمۂ وحدت بھی ہوں اللہ کا گھر بھی

جو اہل اللہ ہیں ان میں ہے قدر و منزلت میری
سمجھتے ہیں حریم پاک اربابِ صفا مجھ کو
تجھے منظور آخر کیوں ہے میری خانہ بربادی
نظر میں تیری کیا ہوں میں سمجھ رکھا ہے کیا مجھ کو

بنا رکھا ہے مجھ کو آہ اب تو نے بتوں کا گھر
رہا کرتے ہیں ہر دم یاس و حسرت رنج و غم مہماں
نظر پڑنے لگی ہے جب سے تیری حسن والوں پر
ہوا ہوں تب سے میں آماجگاہ حسرت و حرماں

تو ہی ہے وجہِ دردِ دل تو ہی ہے بانیٔ الفت
تو ہی اس راز کی محرم تو ہی اس جرم کی مجرم
تو ہی میرے لئے ہے موجب رنج و غم و کلفت
تجھی سے عشق کی بنیاد مجھ میں ہو گئی قائم

تری بیباکیوں نے خاک میں مجھ کو ملایا ہے
تری نظارہ بازی نے جہاں میں کر دیا رسوا
تری طغیانیوں نے دہر میں طوفاں اٹھایا ہے
ڈبویا تیرے ہونے نے نہ ہوتی تو بہتر تھا

چشم

تعلّی سن چکی چشمِ سخن گو جس گھڑی دل کی
چڑھا کر تیوریاں کہنے لگی بس کیجئے حضرت
یہ اتنی لن ترانی کیوں ہے آخر شان میں اپنی
مجھے اچھی طرح معلوم ہے سب آپ کی عظمت

ذرا منہ ڈال کر تو دیکھئے اپنے گریباں میں — بھرم کھل جائے گا واللہ سارا حق و باطل کا
پھنسا رہتا ہے ہر دم کون گیسوئے پریشاں میں — رہا کرتا ہے تشنہ کون آبِ تیغ قاتل کا

تقاضا ہے یہی ہر وقت مجھ سے میری فطرت کا — کہ قدرت کے مناظر کا کروں جی بھر کے نظارہ
مجھے نظارۂ حسنِ جہاں موجب ہے فرحت کا — مگر برعکس اس کے آپ ہو جاتے ہیں صد پارہ

جو آیا سامنے حسن اس کا دیکھا اک نظر میں نے — یہ سچ ہے اچھی صورت کا نظارہ مجھ کو بھاتا ہے
کسی کو دیکھا للچائی ہوئی نظروں سے گر میں نے — تو لطفِ دید کس کو دیدۂ باطن ہے آتا ہے

ہوا اس میں برا کیا خوبرویوں کو اگر دیکھا — بگاڑا کیا حسینانِ زمانہ کو اگر گھورا
خدا کے نور کا اک جلوہ ان میں سر بسر دیکھا — ہوا کب آپ سے حقِ عطایائے خدا پورا

بھلا کس واسطے اس دم پریشاں آپ ہوتے ہیں — کسی کی دید میں جس وقت میں مصروف ہوتی ہوں
بجھاتی ہوں میں اشکوں سے جو سوزاں آپ ہوتے ہیں — انہیں گریہ نہ کہیئے آپ کی حالت پہ روتی ہوں

نہ کسرِ شانِ عالی کی شکایت کیجئے مجھ سے — صنم خانہ خدا کے گھر کو حضرت ہی بناتے ہیں
یہ کہدوں صاف اگر ایمان کی مجھ سے کوئی پوچھے — یہ ساری ذلتیں آپ اپنے ہاتھوں سے اٹھاتے ہیں

غلط ہے عشق کی بنیاد کو میں نے کیا قائم — ہنسی آتی ہے مجھ کو آپ کے الزام بیجا پر
تعجب ہے خطا پر اپنے تو ہوتے نہیں نادم — اور الٹا تھوپتے ہیں اپنا ہی الزام میرے سر

کسی اہلِ نظر سے کیجئے دریافت کیا ہوں میں — نہیں کم آپ سے حق بات لب پہ آتی جاتی ہے
جو گھر اللہ کا ہیں آپ تو نورِ خدا ہوں میں — بصارت میری سیرِ قدرتِ خالق دکھاتی ہے

تماشہ قدرتِ باری کا میں سب کو دکھاتی ہوں — جو میں ناپید ہو جاتی تو تھا اندھیر دنیا میں
جہاں میں ٹھوکریں کھانے سے رہرو کو بچاتی ہوں — مسافر کی مدد کرتی ہوں میں کہسار و صحرا میں

تعلّی کی نہیں عادت مگر یہ بات ہے سچی — تجلی ہے یہ سب مجھ سے ہی میرا دم غنیمت ہے
تمام اہلِ نظر میں عزت و توقیر ہے میری — نہ ہوتی میں یہ کہنا آپ کا کفرانِ نعمت ہے

سراسر بے خطا ہوں میں یہ دعویٰ ہے مرا حق پر — نہ ہوگا ہم میں فیصل اب یہ جھگڑا حق باطل کا
اگر ہم عقل سے اس باب میں پوچھیں تو ہو بہتر — کہ دنیا میں نہیں زیرک کوئی اس کے مقابل کا

عقل

یہ ساری بحث و حجت چشم و دل کی عقل سنتی تھی — ہوئے جب داد خواہ اس سے تو وہ خود ہو گئی نادم
سمجھ میں بات کچھ آتی نہ تھی جو فیصلہ دیتی — پریشاں تھی کہ ان میں کس کو اب ٹھہرائیے مجرم

کہا آخر یہ بعد از فکر کامل چشم اور دل سے — سنی میں نے نہایت غور سے تقریر دونوں کی
جو سچ پوچھو تو اس کا فیصلہ کچھ ہوگا مشکل سے — برا کوئی نہیں اور پھر بھی ہے تفسیر دونوں کی

میں کہتی ہوں یہ خانہ جنگیاں باہم نہیں اچھی — مناسب ہے کہ کر لو گھر ہی گھر میں فیصلہ اس کا
اگر کہنے سے میرے صلح تم میں ہو نہیں سکتی — تو حسن و عشق سے جا کر کرا لو تصفیہ اس کا

چلے پھر چشم و دل دونوں کے دونوں مدعی بنکر — برائے عدل حسن و عشق کے سرکار میں پہنچے
نیا عالم جو دیکھا تو لگے کہنے یہ گھبرا کر — نئی سرکار میں آئے نئے دربار میں پہنچے

دربارِ حسن و عشق

جو دیکھا غور سے تو اور ہی نقشہ نظر آیا — کہیں ارماں بھرے لاکھوں جگر اور دل تڑپتے تھے
کوئی زخمی کوئی بیخود کوئی کشتہ نظر آیا — کہیں تیغِ ادائے ناز کے بسمل تڑپتے تھے

کہیں آشفتگانِ عشق کی حالت بہت ابتر — کہیں تابوتِ حسرت تھا کہیں انصاف کا خوں تھا
کہیں بیخود سے تھی شیریں اور لیلیٰ تھی کہیں مضطر — کہیں فرہاد نالہ کش کہیں بیتاب مجنوں تھا

گنہگارِ محبت اور کوئی مجرم وفا کا تھا — خطاوارِ فغاں کوئی، کوئی دیدار کا ملزم
قیامت کی تھی شورش حشر کا ہنگامہ برپا تھا — نہ پرسش عدل کی کچھ تھی نہ حدِ ظلم کچھ قائم

طلبگارانِ حسن و عشق حیران و پریشاں تھے — عیاں کیا منظرِ دردوالم اللہ اکبر تھا
تڑپ اٹھتے تھے ان کی بیکسی کو دیکھنے والے — کوئی مبہوت و حیراں تھا کوئی بےچین و مضطر تھا

غرض یہ تھی پرستاران حسن و عشق کی حالت — کوئی پھر داد کیا پاتے جہاں بیداد ہو ایسی
کہا یوں چشم و دل نے دیکھ کر یہ منظرِ حسرت — وہاں انصاف کیا ہوگا جہاں بیداد ہو ایسی

یکایک حسن نے لبریز دیکھا چشم کا ساغر — اور اسکو چشم نے بھی اک عجب انداز سے دیکھا
جو دیکھا عشق نے دل کی طرف پایا اسے مضطر — ادھر دل نے بھی اس کو اک نگاہِ راز سے دیکھا

بس ان کا دیکھنا تھا برقِ شعلہ بار کا گرنا — نہ جانے کیا کیا حسنِ کرشمہ ساز نے جادو
کہ فرشِ خاک پہ سیماب آسا دل تڑپتا تھا — یکایک چشمِ تر سے خون کے جاری ہوئے آنسو

ندائے تمکنت آگیں یہ حسن و عشق سے آئی — کہو کیا ماجرا ہے اور کیا فریاد لائے ہو
مصیبت کون سی اس بارگاہ ناز تک لائی — کہو سچ سچ کہ کس کا شکوۂ بیداد لائے ہو

نہ بولی چشم پہلے کچھ بھی رعب حسن سے لیکن — شکایت دل کی اور رو رو کر حکایت کی بیاں اپنی
شکایت سن کے چپ رہ جائے دل یہ تو نہ تھا ممکن — تڑپ کر اس نے بھی ساری سنائی داستاں اپنی

سنے جب حسن نے سب چشم و دل کے شکوہ بیجا — رہا خاموش پہلے اور پھر کہنے لگا ہنس کر
قصور اس میں نہیں اے چشم کچھ بھی واقعی دل کا — ہوا ہے وہ تری ہی وجہ سے یوں ابتر و رسوا

سما کر چشم میں پھر حسن نے شانِ تحکم سے — کہا للچا کے تو نے بدنگاہی سے جو دیکھا ہے
تجھی میں اب رہیگا میرا مسکن غور سے سن لے — سزا تیری یہی ہے اشکباری تجھ کو زیبا ہے

سنا یہ چشمِ تر نے ناموافق فیصلہ جس دم — تو پھر ناکامیوں پر اپنی وہ روتی ہوئی نکلی
مگر اس فیصلے سے ہو رہا تھا دل بہت خرّم — کہ یہ اچھی سزائے "اشکباری" اس پہ عائد کی

نگاہِ قہر آگیں سے جو دیکھا عشق نے دل کو — مبدّل غم سے اس کی شادمانی ہو گئی یکسر
گہن لگتا ہے جیسے آسماں پر ماہ کامل کو — جمایا عشق نے یوں اپنا داغ درد و غم اس پر

کہا پھر خشمناک آواز میں یوں عشق نے دل سے — مری جائے سکونت ہے تو ہی اور تو ہی میرا گھر
تو خود سر کیوں ہوا جاتا ہے اپنے زعمِ باطل سے — سزائے چشم سنکر کیوں ہوا ہے جامہ سے باہر

تو مجھ سے پوچھ لے اے دل خطائیں ہیں تری کیا کیا
بہیمانہ خصائل کا بنا تو آپ مجموعہ

ذریعہ جب بناتا ہے مجھ کو تو مطلب براری کا
نکالا چاہتا ہے مجھ سے تو ارمانِ بیہودہ

اور اس پر زعم یہ اللہ اکبر کس ڈھٹائی سے
شکایت چشمِ روشن کی سرِ دربار لایا ہے

نہیں آگاہ اپنے عیب سے اپنی برائی سے
ترے ارمانِ نازیبا سے مجھ پر حرف آیا ہے

سزا یہ ہے کہ سوزِ غم میں تو جلتا رہے ہر دم
بتوں کی یاد میں ہو جائے تیری زندگی پوری

سزا تقدیر کی جانب سے ہے دونوں کی دردِ غم
جو اس کو "اشکباری" کی تو تجھ کو "بیقراری" کی

سنا فرمانِ حسن و عشق کا جب دیدہ و دل نے
کہا کچھ بحث و حجت کا نہیں ہوتا مآل اچھا

عدالت گاہ میں آ کر ہوئے شرمندہ ہم کیسے
نہ آپس میں کبھی جھگڑیں یہی ہے بس خیال اچھا

گئے دربارِ حسن و عشق میں جو چشم و دل خوش خوش
ہوا کیا فائدہ دونوں خجل اور شرمسار آئے

مسرت کے عوض اطوار کی اپنی سزا پا کر
وفورِ رنج و غم سے اشکبار و بیقرار آئے

مانی جائسی سے معذرت کے ساتھ سنہ ۱۹۱۸ء

جوگی

چودھری خوشی محمد ناظر سے معذرت کے ساتھ

کیوں بستی سے من پھیرا ہے
کیوں دھونی سے بن گھیرا ہے
پربت کی کھو میں ڈیرا ہے
آسن کو جما لے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

کیوں انگ بھبھوت لگائی ہے
کیا دھونی بن میں رمائی ہے
کیا من میں تیرے سمائی ہے
سب چھوڑ دے جھگڑے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

کیوں دنیا سے مُنہ موڑا ہے
کیوں رشتہ ناتا توڑا ہے
کیوں مات پتا کو چھوڑا ہے
سَر پا پہ دھر لے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

کیا ایشور کو تو بھجتا ہے
جاتی کو اپنی تجتا ہے
یہ سانگ نہیں کچھ جچتا ہے
جن سیوا کر لے اے جوگی
چل دیس کو اپنے اے جوگی

دیکھے ہیں سنیاسی بھاری
ابدھوت انیت جٹا دھاری
بھگتی کی ہے ریت نیاری
اور روپ انوکھے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

یہ پریت کی ریت نہیں جوگی
یہ ہر کی میت نہیں جوگی
یہ پریم کی جیت نہیں جوگی
ہیں اور ہی رستے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

نس دن تو روتا رہتا ہے
دکھ جان پہ اپنی سہتا ہے
اور منہ سے کچھ نہیں کہتا ہے
کیا بھید ہیں تیرے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

تو یوگ میں کس کے روتا ہے
یوں خاک بسر کیوں ہوتا ہے
کیوں سکھ کا جیون کھوتا ہے
من کھول کے کہہ دے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

تو گھائل ہے کن نینوں کا ہے
تو زخمی ہے کن بانوں کا ہے
تو قیدی ہے کن کیشوں کا ہے
تو مکتی پالے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

کانٹے ہیں نکیلے اس بن میں
تو آگ لگاتی ہے تن میں
واں پھول کھلے ہیں گلشن میں
آ دیکھ تو چل کے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

اب دیس نے مکتی پائی ہے
سکھ چین کی بدلی چھائی ہے
اور بادِ بہاری آئی ہے
جاگے ہیں نصیبے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

زنجیرِ غلامی ٹوٹی ہے
بندھن سے ماتا چھوٹی ہے
آشا کی کونپل پھوٹی ہے
ہیں والے نیارے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

اب دودھ کی ندیا بہتی ہے
اب ہیم اگلتی دھرتی ہے
اب اپنی کوڑی چلتی ہے
جھنڈے ہیں ترنگے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

انیائے نہیں اب ہوتا ہے
سکھ چین سے ہر اک سوتا ہے
وہ پاتا ہے جو بوتا ہے
پھل تو بھی پالے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

گاندھی کے بتائے رستوں پر
نہرو کی دکھائی راہوں پر
چل تو بھی ان اپدیشوں پر
ہو شانتی جن سے اے جوگی
چل دیس میں اپنے اے جوگی

جوابِ جوگی

موہ جال ہے دنیا اے بابا
یہ بستی دھوکا ہے بابا
ہے لوبھ کی واں ہر شے بابا
یاں دور ہیں سب سے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

یاں کرودھ نہیں یاں کام نہیں
یاں سچے جھوٹے دام نہیں
یاں خاص نہیں یا عام نہیں
ہیں یکساں سارے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

آنسو کی سمرن جاری ہے
ہردے کی اگنی دھونی ہے
یاں کام کی بستی سونی ہے
لگ اپنے رستے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

میں اپنی دھن میں رہتا ہوں

آپ اپنی کشٹی سہتا ہوں

دکھ اور سے کب میں کہتا ہوں

کیا بھید تو جانے رے بابا

جا دیس میں اپنے رے بابا

کیا پریت کی ریت سکھاتا ہے

اس جاتی کے گن گاتا ہے

جو ناحق رکت بہاتا ہے

کیا آشا ان سے لے بابا

جا دیس میں اپنے اے بابا

پریم اس کا من رہتا ہے
جو روپ انوپ دکھاتا ہے
چو اور یہ اس کی لیلا ہے
دیکھ اس کے کرشمے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

کیا دنیا جال پھیلائے گی
کیا ناری نین ملائے گی
کیا مایا من کو بھلائے گی
سب وش ہیں میرے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

کیا برج میں یکتائی ہے
بھائی کا بیری بھائی ہے
کیا اچھی مکتی پائی ہے
ہیں میٹھے سپنے لے بابا
جا دیس ہیں اپنے لے بابا

گوروں کی جگہ ہیں جن کالے
ٹوپی ہے اُجلی، من کالے
بازار بھی کالے، دھن کالے
سب کالے کالے لے بابا
جا دیس ہیں اپنے لے بابا

کرسی کا بھوکا ہر نیتا
جنتا کی کرے گا کیا سیوا
بازار لگا ہے رشوت کا

چھائے ہیں اندھیرے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

رشوت کی دکانیں دفتر ہیں
خود مالک اس کے افسر ہیں
شرنارتھی اب تک بے گھر ہیں

رستوں پہ بھٹکتے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

بت آشا کا ہے امریکہ
اب اَن داتا ہے امریکہ
بھگوان بنا ہے امریکہ

سب ہر کو بھولے رے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

بِکتے ہیں پر دیس کے اَن سے
نِبھتے ہیں غیروں کے دھن سے
کب مکتی ہو اس بندھن سے

پر دیش ہیں سارے رے بابا
جا دیس کو اپنے اے بابا

ان مہنگا ہے، خوں سستا ہے
اس نگری میں جو بستا ہے
غربت کے گڑھے میں دھنستا ہے
سب بھوکے پیاسے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

کیا اونچا آیا جیون ہے
جب بھوک کا ہر گھر ایندھن ہے
جب ننگا بھوکا ہر تن ہے
کیا کھاتے پہنتے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

اب کالے بادل چھائے ہیں
نیچے سے اوپر آئے ہیں
نردھن بھی دولت والے ہیں
آنکھوں کے اندھے لے بابا
جا دیس ہیں اپنے لے بابا

جو چھوت اچھوت اپنائے ہوں
بھاشا پہ جو لڑتے مرتے ہوں
جو راج کے ٹکڑے کرتے ہوں
ایکا ہو کہاں سے لے بابا
جا دیس ہیں اپنے لے بابا

جب دودھ کی ندی بہتی ہے
کیوں جنتا بھوکی رہتی ہے
کیا دنیا تجھ کو کہتی ہے
جا اپنی خبر لے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

گاندھی کا دم بھرتے ہیں
مانو کی ہنسا کرتے ھیں
ہر سے بھی نہیں اب ڈرتے ہیں
گاندھی کے چیلے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

داتا ہوں یا وہ بھکشو ہوں
بندھو ہوں یا وہ شترو ہوں
مسلم ہوں یا وہ ہندو ہوں
ہیں ہر کے بیلے اے بابا
جا دیس میں اپنے اے بابا

جگ پاپ کپٹ کا دریا ہے
منجدھار میں تیری نیّا ہے
اب ڈوبتی تیری لُٹیا ہے
لگ اب بھی کنارے اے بابا
آ ہر کے دوارے اے بابا

آدمی

ہے اپنے قول و فعل کا مختار آدمی
مجبور آدمی ہے نہ ناچار آدمی

انساں کے کام آتا ہے انساں جہان میں
ہوتا ہے آدمی کا مددگار آدمی

محتاج غیر کا کبھی ہوتا نہیں ہے وہ
جو ہے غیور و عاقل و خوددار آدمی

آگاہ ہیں جہاں کے نشیب و فراز سے
خاموش اس لئے ہیں سمجھدار آدمی

ہونا ہو کامیاب تو ہمت سے کام لے
دشوار امر سے نہ ہو بیزار آدمی

قانع رہے اسی پہ جو تقدیر سے ملے
حرص و ہوس میں ہو نہ گرفتار آدمی

رہتا ہے کس خیال میں بیتاب آدمی
برقِ تپیدہ ہے کہ ہے سیماب آدمی

ہو نیک نام ایسے کرے کام آدمی
پاتا ہے کام ہی سے یہاں نام آدمی

ناکامی اس کو ہو نہ کسی کام میں نصیب
ہر کام کا جو سوچ لے انجام آدمی

آیا ہے جو یہاں وہ وہاں جائیگا ضرور
لاتا ہے ساتھ موت کا پیغام آدمی

پوشیدہ ہونے والا ہے دامانِ خاک میں   ہے مثلِ آفتاب لبِ بام آدمی
دار المحن ہے نام جہانِ خراب کا   کس طرح پائے راحت و آرام آدمی
شہرت جسے نصیب ہو بدنامیوں کے ساتھ   اچھا ہے ایسے شخص سے بدنام آدمی
اطوار اس کے پاک ہوں اعمال نیک ہوں   پروا نہیں اگر ہو سیہ فام آدمی

دنیا سے ساتھ اور نہیں کوئی جائیگا
انساں کے صرف نیک عمل کام آئیگا

اتنا بھی سوچتے نہیں نادان آدمی   دنیا میں چند روز ہے مہمان آدمی
گر ناز ہو تو قوتِ بازو پہ ناز ہو   کیوں لے جہاں میں غیر کا احسان آدمی
ہمت کا ہونا شرط ہے آغازِ کار میں   دشوار کام کرتا ہے آسان آدمی
جو سوجھتی ہے ان کو نئی سوجھتی ہے اب   رہتا ہے تازہ فکر میں ہر آن آدمی
خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے جو کبھی   رکھتے ہیں ایسے دل میں اب ارمان آدمی

دیکھیں زمانے والے نئے رنگ لائیں کیا
جوہر ہمیں یہ عقل کے پتلے دکھائیں کیا

کرنے لگا فلک پہ ہے پرواز آدمی — کیا کیا دکھائے دیکھئے اعجاز آدمی

دکھلانے والے ہیں نئے اعجاز آدمی — رکھتے ہیں دل میں ہمّتِ پرواز آدمی

حیران عقل ہوتی ہے عالم میں دیکھ کر — کام ایسے ایسے کرتے ہیں آغاز آدمی

جس سے نہ ہو ہلاکتِ انساں میں دیر کچھ — کرتے ہیں پیدا ایسے نئے ساز آدمی

عمرِ عزیز علم و ہنر میں کرے جو صرف — کیونکر نہ ہو وہ صاحب اعزاز آدمی

آگاہ ہے مآل برائی کا ہے برا — آتا نہیں بدی سے مگر باز آدمی

ہوتا نہیں ہے کام کوئی بے عطائے حق — تدبیر پر نہ اپنی کرے ناز آدمی

دنیا میں کرے شیوۂ صدق و صفا پسند — عیار آدمی ہو نہ دمباز آدمی

دولت بھی جس کے ہو نگہہ امتیاز بھی — خلق خدا میں ہے وہی ممتاز آدمی

چشمہ جہاں میں فیض کا جس کے رواں رہے
خوش تر وہ نیکنام رہے شادماں رہے

یہ نظم بمقام (جوار بمبئی ''اگر فضل الٰہی) نمک بنانے کی جگہ پر ملازمت کے زمانے میں شاید ۱۹۱۱ء میں لکھی گئی اور جلوۂ یار میرٹھ بابت ــــ ء میں چھپی۔

آپریشن

قطعہ توصیف ڈاکٹر ایم۔ اے۔ ایچ صدیقی ایم۔ایم۔ایس۔ایف۔آر۔سی۔ایس
انگلینڈ۔پروفیسر میڈیکل کالج ـــــ پاکستان

زیست کے نازک ترین اک موڑ پر
تھم گیا تھا اشہبِ عمرِ رواں
احتباسِ بول لاحق ہو گیا
پڑ گئی ضغط میں جانِ ناتواں
سوچ میں تھا کیا کروں جاؤں کہاں
دردِ پابستہ وطن دامن کشاں
مشورہ سرکارِ عالی نے دیا
فخرِ پاکستاں ہیں صدیقی یہاں
سرجری میں آپ ہیں اپنی مثال
اُن سے جا کر کیجئے حالت بیاں

بعد تشخیصِ مرض موصوف نے
دی صلاحِ آپریشن بے زیاں
دستِ صدیقی[2] نے آخر دی شفا
کاروانِ زندگی ہے پھر رواں
جس پہ رکھا ہاتھ وہ اچھا ہوا
ڈاکٹر ہیں یا مسیحائے زماں
لختِ دل خالد سا تھا تیماردار
باعثِ آرام تھا، آرام جاں
عازمِ سوئے وطن خوشتر[1] ہوا
کامیاب و کامران و شادماں

۱؎ شیخ محمد ناصر الدین میاں والیٔ ریاستِ منگرول۔ ۲؎ ڈاکٹر صدیقی

حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش کی
پندرھویں اشاعت

طیورِ آوارہ

خوشترؔ منگرولی

حُسنِ خیال
عبدالرحمٰن خوشتر منگرولی
سوراشٹر (گجرات)
مرتّب : ـــــــ حافظ دہلوی
حلقۂ فکر و دانش بنگلہ دیش، ڈھاکہ